درس ۱۱

بندۂ مومن کی شخصیت کے خدوخال

سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کی روشنی میں

—— (۲) ——

﴿ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ○ ﴾ (الفرقان : ۷۰'۷۱)

"سوائے اس کے جو تائب ہوا اور ایمان لایا اور اس نے اچھے عمل کئے' تو یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں اور نیکیوں سے بدل دے گا' اور اللہ تو ہے ہی مغفرت فرمانے والا' رحم فرمانے والا۔ اور جو توبہ کرتا ہے اور اچھے عمل کرتا ہے تو وہی ہے جو توبہ کرتا ہے اللہ کی جناب میں جیسا کہ توبہ کرنے کا حق ہے۔"

ان دو آیات کا مضمون ان سے پہلی دو آیات سے مربوط ہے' جن میں تین بڑے بڑے گناہوں کا ذکر کیا گیا' یعنی شرک' قتل ناحق اور زنا ـــــ اور فرمایا گیا کہ جو کوئی ان جرائم کا مرتکب ہوگا اسے سزا مل کر رہے گی' اور سزا بھی وہ جس میں اضافہ ہوتا رہے گا' اور پھر اس کے لئے خلود یعنی ہمیشہ کے لئے سزا ہے۔ تو یہ نقشہ بعض اعتبارات سے خاصا مایوسی پیدا کرنے والا ہے کہ اگر کسی شخص سے ان میں سے کسی جرم کا ارتکاب ہوا ہو تو گویا یہ صورت حال اس کے لئے بڑی مایوس کن ہوگی۔ مایوسی کے اس اندھیرے میں اگلی دو آیات اُمید کی ایک کرن بن کر نمودار ہوتی ہیں۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

فرمایا : ﴿ اِلَّا مَنۡ تَابَ ﴾ ہاں جو توبہ کرلے وہ بچ جائے گا۔ معلوم ہوا کہ گناہ کے اثرات اشیاء کے مادی اور طبعی اثرات کی طرح نہیں ہیں کہ ان کا ظہور لازماً ہو۔ جیسے اگر آپ نے آگ میں انگلی ڈالی تو وہ لازماً جل کر رہے گی۔ اس کے بعد اگر آپ توبہ کریں تو اس توبہ سے آگ کا انگلی پر جو اثر ہوا ہے وہ زائل نہیں ہوگا' وہ جلی رہے گی۔ اس لئے کہ یہ ایک طبعی اثر (Physical Effect) ہے۔ لیکن اخلاقی جرائم کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ اگر کوئی گناہ ہوا ہو' کوئی خطا ہوئی ہو تو لازم نہیں ہے کہ اس کا اثر ضرور ظاہر ہو۔ بلکہ اس سے بچاؤ کا ایک راستہ ہے' اور وہ درحقیقت توبہ کا راستہ ہے۔ توبہ کی عظمت اور توبہ کی حقیقت کے بیان میں قرآن کا یہ مقام نہایت اہم ہے۔ بلکہ اس اعتبار سے اس کو قرآن مجید کی چوٹی قرار دینا غلط نہ ہوگا۔

© rasailojaraid.co

پہلے اصولی طور پر یہ سمجھ لیجئے کہ توبہ کی اہمیت کیا ہے! انفرادی اعتبار سے بھی یہ بات بڑی آسانی سے سمجھ میں آجائے گی کہ اگر انسان اس مغالطہ میں مبتلا ہو کہ مجھ سے جو خطا ہو چکی ہے اس کی سزا تو مجھے لازماً بھگتنی پڑے گی' تو انسان پر مایوسی مسلط ہو جائے گی اور اصلاح کے لئے جو ہمت اور ارادہ درکار ہے' وہ اس میں باقی نہیں رہے گا۔ چنانچہ کتب احادیث میں ایک بہت ہی دلچسپ واقعہ ملتا ہے جو جناب نبی اکرم ﷺ نے صحابہؓ کو سنایا۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ متفق علیہ روایت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں' ان میں سے کسی اُمت کے ایک فرد کا یہ واقعہ ہے کہ وہ بڑا سفاک قاتل تھا' اس نے ننانوے انسانوں کو قتل کیا تھا۔ لیکن پھر اس کی طبیعت میں کچھ تبدیلی پیدا ہوئی تو وہ ایک بہت بڑے عالم کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ میں ننانوے انسانوں کو قتل کر چکا ہوں' کیا اب بھی میری مغفرت کا کوئی راستہ کھلا ہے؟۔ اس عالم نے کہا کہ نہیں' تمہاری مغفرت کی اب کوئی سبیل نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص نے اس عالم کو بھی قتل کر دیا کہ میں ننانوے قتل تو پہلے ہی کر چکا ہوں' سو کیوں نہ پورے کر لوں! ____ پھر اس نے ایک اور بڑے عالم کی طرف رجوع کیا۔ اس نے بتایا کہ نہیں' اللہ کی مغفرت و رحمت کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا' اگر تم اب بھی صدق دل سے توبہ کرو تو اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا۔ پھر اس عالم نے اس کی

© rasailojaraid.co

رہنمائی بھی کی کہ فلاں جگہ چلے جاؤ' وہاں تمہیں بہتر ماحول ملے گا۔ تم اب تک جس ماحول میں رہے ہو اگر تم اسی میں رہے تو شاید تم اپنی اصلاح نہ کر سکو۔ وہ شخص اپنی اصلاح کے ارادہ سے اس مقام کی طرف چل پڑا جس کی رہنمائی اس عالم نے کی تھی۔ ابھی راستے ہی میں تھا کہ اس کی موت کا وقت آگیا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کے بارے میں فرشتوں کے مابین یہ اختلاف رونما ہوا کہ اس کی رُوح کو عذاب والے فرشتے قبض کر کے لے کر جائیں یا رحمت والے فرشتے! اللہ کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوا کہ راستہ ماپ لو۔ وہ راستہ جس طرف وہ اصلاح احوال کی غرض سے قیام کے ارادہ سے چلا تھا اگر اس راستہ سے کم رہ گیا ہے جو وہ طے کر چکا ہے تو اس کی روح کو رحمت کے فرشتے لے کر جائیں' بصورت دیگر اس کی روح کو عذاب والے فرشتے لے کر جائیں۔ راستہ ماپا گیا تو جس مقام کے ارادہ سے وہ شخص چلا تھا وہ راستہ کم پایا گیا' لہٰذا رحمت والے فرشتے اس کی رُوح کو لے کر برزخ کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا تو وہ راستہ جو ابھی طے کرنا باقی تھا وہ سمٹ گیا' جبکہ وہ راستہ جو وہ طے کر چکا تھا وہ پھیل گیا۔

تو یہ ہے توبہ کا معاملہ انفرادی اصلاح کے ضمن میں کہ انسان جب بھی جاگ جائے' جب بھی ہوش میں آجائے' اگر سچے دل سے توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ نے مغفرت کی اُمید دلائی ہے۔ ایک حدیث میں الفاظ آئے ہیں کہ خواہ اس کے گناہوں کا ڈھیر کوہ اُحد جتنا بلند ہو تب بھی سچی توبہ کے عوض اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دے گا۔ اور مغفرت کے ضمن میں قرآن مجید کی سب سے زیادہ امید افزاء آیت سورۃ الزمر کی یہ آیت ہے :

﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ ﴾

"(اے نبی) فرما دیجئے کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ! اللہ تمام گناہ بخشنے کا اختیار رکھتا ہے۔ اور وہ ہے ہی بخشنے والا' رحم فرمانے والا۔"

دنیا کے دوسرے مذاہب نے اپنے فلسفۂ اخلاق میں توبہ کے بارے میں بہت

© rasailojaraid.co

ٹھوکریں کھائی ہیں جس کے باعث ان کا نقطۂ نظر بہت کج ہو گیا ہے۔ مثلاً ایک عقیدہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جو خطا ہو گئی تھی' جب کہ اُنہیں آزمائشی طور پر جنت میں رکھا گیا تھا اور ایک خاص درخت کا پھل کھانے سے منع کر دیا گیا تھا مگر شیطان کے ورغلانے سے انہوں نے اس درخت کے پھل کو کھا لیا تھا' تو یہ گناہ گویا اب نسل آدم میں منتقل ہو رہا ہے۔ نوعِ انسانی کا جو بچہ پیدا ہو رہا ہے وہ پیدائشی طور پر گناہ گار ہوتا ہے' وہ اپنے جدِ امجد کے گناہ کی گٹھری لے کر اس دنیا میں آنکھیں کھولتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جہاں یہ غلط عقیدہ ہو گا وہاں اس پر مزید غلطیاں ہوں گی۔ چنانچہ پھر "کفّارہ" کا عقیدہ ایجاد کیا گیا۔ یہ بنائے فاسِد علی الفاسِد ہے۔ اس کے برعکس قرآن مجید یہ بتاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے غلطی ضرور ہوئی تھی' لیکن انہوں نے توبہ کی :

﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ ﴾ (الاعراف : ۲۳)

"اے رب ہمارے! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے' اب اگر تو ہم کو معاف نہیں فرمائے گا اور ہم پر رحم نہیں فرمائے گا تو لازماً ہم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔"

اور سورۃ البقرہ میں فرمایا :

﴿ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ﴾

"آدم نے کچھ کلمات اپنے رب سے حاصل کیے (اور جب ان کلمات کے ذریعے اللہ سے توبہ کی) تو اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔"

مزید یہ کہ توبہ کے بارے میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد بھی کتب احادیث میں موجود ہے :

((اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ))

"جو کوئی کسی گناہ سے توبہ کر چکا اس کے لئے کوئی گناہ ہے ہی نہیں۔"

گویا وہ ایسے ہے جیسے اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں تھا۔ لہٰذا اب اس کا کوئی سوال نہیں ہے کہ نسل آدم علیہ السلام کا ہر بچہ پیدائشی طور پر گناہ گار ہو ـــــــ معاذ اللہ۔ قرآن مجید کا فیصلہ تو یہ ہے :

© rasailojaraid.com

﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ﴾ (الرُّوم : ۳۰)

"اللہ کی وہ فطرت جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔"

حضور ﷺ نے فرمایا :

((مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ، فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ)) (متفق علیہ)

یعنی نسل آدم کا ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے‘ وہ تو اس کے والدین ہیں جو اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ پس قرآن مجید کے فلسفہ میں اور بعض دوسرے مذاہب کے فلسفہ میں یہ بڑا عظیم فرق وتفاوت ہے۔

اب ہمیں اس بات کو سمجھنا ہے کہ توبہ کی شرائط کیا ہیں! صرف زبان سے کہہ دینے سے توبہ نہیں ہو جائے گی۔ توبہ کی چند شرائط اور کچھ لوازم ہیں۔ اگر وہ شرائط پوری نہ ہوں تو چاہے آدمی توبہ کی تسبیح پڑھتا رہے اور صرف زبانی طور پر استغفار کا کتنا ہی ورد کرتا رہے اسے توبہ نہیں کہا جائے گا۔ چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے جو بہت بڑے محدث گزرے ہیں "ریاض الصالحین" میں توبہ کے باب میں علمائے اُمت کا اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ اگر توبہ کسی ایسے گناہ کے ضمن میں ہو جو حقوق اللہ سے متعلق ہے تو اس کے صحیح ہونے کی تین شرائط ہیں۔ لیکن اگر کوئی گناہ حقوق العباد کے ضمن کا ہے تو ایک اضافی شرط مزید شامل ہو جائے گی۔ پہلی تین شرائط حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں میں مشترک ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ انسان کے دل میں سچی اور حقیقی ندامت ہو کہ میں اب تک جو کچھ کرتا رہا ہوں‘ غلط کرتا رہا ہوں۔ اس پر واقعی پشیمانی ہو۔ اس حقیقت کو علامہ اقبال نے اپنے نوعمری کے دور کے اس شعر میں نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے‘ جسے داغ دھلوی نے بہت پسند کیا تھا اور اس پر داد دی تھی کہ ؎

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لئے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

تو اللہ کو بندے کی یہ پشیمانی اور ندامت بہت محبوب ہے۔

© rasailojaraid.com

دوسری شرط یہ ہے کہ عزم مصمم ہو کہ اب یہ کام دوبارہ نہیں کروں گا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ فی الواقع اُس گناہ کو ترک کردے اور عمل صالح کی روش اختیار کرے۔ یہ تین شرائط حقوق اللہ کے ضمن کے گناہوں سے متعلق ہیں ـــــ اضافی چوتھی شرط حقوق العباد کے معاملے میں ہے۔ وہ یہ کہ اگر کسی انسان کا حق مارا ہے تو اس کی تلافی کرے، کسی کا مال ہڑپ کیا ہے تو وہ مال واپس کرے یا اُس سے معافی طلب کرے، کسی کی غیبت کی ہے تو اس کے پاس جاکر معافی چاہے، کسی پر ظلم کیا ہے تو اس کے لئے مظلوم سے عفو اور درگزر حاصل کرے۔ اس لئے کہ یہ جو حقوق العباد ہیں انہیں اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائے گا۔ اگر اس دنیا میں ان بندوں سے جن کی حق تلفی کی گئی ہے معافی حاصل نہیں کی جائے گی تو آخرت میں نیکیوں اور گناہوں کا لین دین ہو گا۔ یعنی ظلم اور زیادتی کرنے والے شخص کی نیکیاں اُس شخص کو دے دی جائیں گی جس کے حق پر اس دنیا میں دست درازی کی گئی تھی یا جس پر ظلم کیا گیا تھا۔ اگر زیادتی کرنے والے کی نیکیوں کا سرمایہ ختم ہو جائے گا تو پھر مظلوم کے گناہ ظالم کے وزن اعمال کے پلڑے میں ڈال دیئے جائیں گے۔

چنانچہ اس آیت پر غور کیجئے، فرمایا : ﴿ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلاً صَالِحًا ﴾ یہاں صرف ایک لفظ "تَابَ" نہیں آیا، بلکہ اس کے ساتھ ایمان اور عمل صالح کا ذکر بھی ہے۔ توبہ کے معنی ہیں لوٹنا، پلٹنا، رجوع کرنا ـــــ تو فرمایا : ﴿ مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ ﴾ "جو توبہ کرے اور ایمان لائے"۔ اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر وہ پہلے کافر تھا، اب ایمان لا رہا ہے تو وہ بھی کفر سے پلٹنے اور ایمان لانے کے اعتبار سے ان الفاظ مبارکہ کے ذیل میں آجائے گا۔ دوسرا یہ کہ اگر وہ مسلمان تھا اور مسلمان ہوتے ہوئے بھی گناہ کر رہا تھا تو درحقیقت اس گناہ کی وجہ سے جو قلبی یقین والا ایمان ہے وہ زائل ہو گیا تھا۔ اب جب وہ توبہ کر رہا ہے تو گویا تجدید ایمان کر رہا ہے اور اس کے دل میں از سر نو ایمان داخل ہو رہا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ "جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے تو ایمان اس کے دل سے نکل کر پرندے کے مانند اس کے سر پر منڈلاتا ہے۔ اب اگر وہ توبہ کرتا ہے تو ایمان اس کے دل میں لوٹ آتا ہے"۔ لہٰذا جب دل میں تصدیق قلبی والا اور یقین والا ایمان ہو تو اس کے اثرات لازماً عمل پر مترتب ہوں گے اور وہ درست ہو

© rasailojaraid.com

جا میں گے۔ یہی وجہ ہے کہ توبہ کے فوراً بعد ایمان اور عمل صالح کا ذکر کیا گیا۔

پھر اس توبہ' تجدیدِ ایمان اور اعمالِ صالحہ کے مرتبہ اور مقام کا ذکر بایں الفاظِ مبارکہ فرمایا : ﴿ فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنٰتٍ ﴾ "پس ایسے لوگوں کے نامۂ اعمال میں سے اللہ ان کی برائیوں کو محو فرما کر ان کی جگہ نیکیوں کا اندراج فرما دے گا۔" یہ ہے اللہ کی نگاہ میں توبہ کی عظمت۔ اس آیت کا اختتام ان الفاظ مبارکہ پر ہوتا ہے : ﴿ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ ﴾ "اور اللہ تو ہے ہی بخشنے والا' رحم فرمانے والا" ـــــ اس کی ذات والاصفات میں مغفرت و رحمت کی شانیں بدرجۂ اتم موجود ہیں ـــــ لہٰذا ایک مومن کو کبھی مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ گناہ کی معافی کے لئے اس کی رحمت و مغفرت کے دروازے لوگوں کے لئے ہر وقت کھلے ہوئے ہیں' بشرطیکہ وہ اس کی جناب میں پورے لوازم و شرائط کے ساتھ توبہ کریں۔

اگلی آیت میں اس بات کو پھر دُہرایا گیا۔ عمل صالح توبہ کی شرط لازم ہے۔ انسان توبہ توبہ کہتا رہے اور اس کا عمل وہی رہے جو پہلے تھا تو یہ توبہ نہیں ہے' یہ تو اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے۔ بلکہ فرمایا : ﴿ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّہٗ یَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ مَتَابًا ۝ ﴾ "جو شخص توبہ کرے اور عمل درست کرے تو وہ ہے کہ جو اللہ کی جناب میں توبہ کرتا ہے جیسا کہ توبہ کرنے کا حق ہے۔"

عبادالرحمٰن کے اوصاف کے ضمن میں اگلی آیات میں فرمایا گیا :

﴿ وَالَّذِیْنَ لَا یَشْہَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا کِرَامًا ۝ وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّہِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْہَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا ۝ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا ہَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا ۝ اُولٰٓئِکَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَۃَ بِمَا صَبَرُوْا وَیُلَقَّوْنَ فِیْہَا تَحِیَّۃً وَّسَلٰمًا ۝ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا' حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ ﴾

(الفرقان : ۷۲تا۷۶)

"اور وہ لوگ جو جھوٹ میں شرکت گوارا نہیں کرتے اور اگر اتفاقاً کسی لغو کام پر ان کا گزر ہو جائے تو وہ وہاں سے اپنا دامن بچاتے ہوئے گزر جاتے ہیں' اور وہ

© rasailojaraid.com

جنہیں جب اپنے رب کی آیات کے ذریعے سے تذکیر اور نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس پر اندھے اور بہرے ہو کر گر نہیں پڑتے۔ اور وہ جو کہتے ہیں : اے ہمارے رب! ہمیں عطا فرما ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک' اور ہمیں متقی لوگوں کا امام بنا۔ یہ ہیں وہ لوگ کہ جنہیں بدلے میں دیئے جائیں گے بالاخانے بسبب ان کے صبر کے' اور اُن کا استقبال ہو گا جنت میں دُعا اور سلام کے ساتھ۔ رہیں گے وہ اس میں ہمیشہ ہمیش۔ بہت ہی اچھی ہے وہ جگہ مستقل جائے قرار ہونے کے اعتبار سے بھی' اور تھوڑی دیر قیام کے لئے بھی۔"

سورۃ الفرقان کی مندرجہ بالا آیات میں پھر وہی مضمون آیا ہے جو اس سے پہلے اس رکوع کی تیسری آیت سے لے کر آٹھویں آیت تک آیا تھا۔ یعنی اللہ کے محبوب بندوں کے اوصاف۔ گویا وہ اوصاف جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں۔ اس رکوع کی تیسری سے آٹھویں آیت تک چھ اوصاف کا ذکر ہو چکا ہے' جن میں سے پہلا وصف تواضع ہے یعنی وہ لوگ جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں' ان کی چال سے عجز و انکسار اور تواضع کا اظہار ہوتا ہے۔ دوسری صفت خواہ مخواہ کی بحث و تمحیص سے دامن بچانا ہے۔ اللہ کے ان محبوب بندوں سے جب مشتعل مزاج لوگ خواہ مخواہ حجت بازی پر اتر آتے ہیں تو وہ سلام کہہ کر ان سے جدا ہو جاتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ شب کی عبادت میں اللہ کے محبوب بندے اپنی راتیں اللہ کے حضور سجدے اور قیام میں گزارتے ہیں : ﴿وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا﴾ چوتھی صفت جہنم سے پناہ مانگتے رہنا بیان ہوئی' کہ اے رب ہمارے! ہمیں عذاب جہنم سے بچالے۔ ان کی پانچویں صفت میانہ روی ہے' بالخصوص خرچ کے معاملہ میں : ﴿وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾ چھٹی صفت کبیرہ گناہوں سے بچتے رہنا' جس کا ذکر سورۃ الشوریٰ اور سورۃ النجم میں بایں الفاظ مبارکہ آیا ہے : ﴿وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ﴾ "وہ لوگ جو بڑے بڑے گناہوں اور فحش کاموں سے بالفعل مجتنب رہتے ہیں"۔ اور ہم کئی مرتبہ دیکھ چکے ہیں کہ از روئے قرآن مجید کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑے اور چوٹی کے گناہ تین ہیں : شرک' قتل ناحق اور زنا۔

© rasailojaraid.com

ان چھ اوصاف کے ذکر کے بعد ایک ضمنی بحث توبہ کی عظمت' توبہ کی حقیقت' توبہ کی اہمیت اور توبہ کی شرائط کے بارے میں آ گئی تھی۔ اب مضمون پھر اسی سلسلہ گفتگو کی طرف لوٹ رہا ہے یعنی عباد الرحمٰن کے اوصاف کیا کیا ہوتے ہیں۔

یہاں پہلا وصف بیان ہوا : ﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ﴾ زُوْر جھوٹ کو کہتے ہیں اور شَهِدَ يَشْهَدُ کا معنی موجود ہونا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ جھوٹ پر اپنی موجودگی بھی گوارا نہیں کرتے۔ کہیں جھوٹ کا معاملہ ہو رہا ہو' کہیں جھوٹ کی بنیاد پر لین دین ہو رہا ہو' کہیں کوئی سازش ہو رہی ہو' کہیں کچھ جھوٹ گھڑے جا رہے ہوں تو ایسی جگہوں پر انہیں اپنی موجودگی تک گوارا نہیں۔ ظاہر بات ہے کہ جھوٹی گواہی اس میں از خود آ جائے گی۔ جو لوگ جھوٹ میں ادنیٰ درجہ کی شرکت اور شمولیت گوارا نہیں کرتے' وہ جھوٹی گواہی کیونکر دیں گے؟

© rasailojaraid.c

دوسرا وصف ہے : ﴿ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ ﴾ یعنی وہ لوگ کہ جن کا کسی لغو اور بیکار کام کی طرف قصد اور ارادہ کر کے جانا تو سرے سے خارج از بحث ہے ہی' اگر کسی لغو کام پر ان کا اتفاقاً گزر ہو جائے' مثلاً راہ چلتے ہوئے جب دیکھیں کہ کوئی مداری تماشا دکھا رہا ہے تب بھی یہ لوگ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے' بلکہ اپنے دامن کو بچاتے ہوئے وہاں سے گزر جاتے ہیں۔ یہ مضمون اس سے پہلے سورۃ المومنون کی ابتدائی آیات میں آ چکا ہے : ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴾ لیکن یہاں جو فرق ہے اسے نوٹ کر لیجئے کہ ایک ہے لغو کام کا ارادہ کرنا۔ لیکن یہاں نقشہ یہ کھینچا گیا ہے کہ اس کا تو سوال ہی نہیں کہ اللہ کے یہ محبوب بندے کوئی لغو اور بے کار کام کریں۔ اگر اتفاقاً بھی کسی لغو کام پر ان کا گزر ہو جائے تو وہ باعزت طور پر اپنا دامن بچاتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ اصل میں مومن کو اپنے وقت کی قدر ہوتی ہے۔ یہ محدود سا وقت اور محدود سی فرصت جو اِس دنیا میں حاصل ہے یہ بڑی قیمتی ہے۔ اس لئے کہ اِس کے نتائج اُس دنیا میں نکلیں گے جو لامحدود ہے۔ للذا نتیجہ کے اعتبار سے اس زندگی کا ہر لمحہ امر ہے۔ اس کا ثمرہ اُس زندگی میں ملے گا جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔ للذا ان کے پاس کوئی فالتو وقت نہیں ہوتا کہ اُسے بیکار کاموں میں صرف کریں۔

© rasailojaraid.c

تیسرا وصف یہ بیان ہوا کہ جب انہیں ان کے رب کی آیات کے ذریعہ سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اندھے بہرے ہو کر نہیں گر پڑتے : ﴿ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝ ﴾ اس میں کفار کی طرف ایک تعریض ہے کہ انہیں جب آیات الٰہی سنائی جاتی ہیں تو ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ جیسے وہ ان کی مخالفت پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔ وہ غور ہی نہیں کرتے' سنتے ہی نہیں' تدبّر ہی نہیں کرتے۔ پہلے ہی سے طے کیے بیٹھے ہوتے ہیں کہ اعتراضات وارد کریں۔ یہ معاملہ مذکورہ بالا اوصاف کے حامل عباد الرحمٰن کا نہیں ہوتا ہے۔ اس قدر (value) کو اگر ہم مثبت طور پر معین کریں تو وہ یہ ہوگی کہ آیاتِ قرآنیہ پر' آیاتِ ربانیہ پر تدبّر و تفکّر ہو' ان پر غور کیا جائے' انہیں گوشِ حقیقت نیوش سے سنا جائے۔ انسان ان آیاتِ الٰہیہ کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کرے۔

چوتھا وصف انسانی فطرت سے وابستہ ہے۔ جو شخص خود نیک ہوگا اور سیدھے راستہ پر زندگی بسر کر رہا ہوگا لازماً اس کی تمنا ہوگی کہ اس کے اہل و عیال بھی اسی راستہ پر چلیں' اور وہ بھی تقویٰ اور احسان کی روش اختیار کریں۔ لہٰذا وہ اپنے رب سے دُعا کرتے رہتے ہیں کہ : ﴿ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ ﴾ "اے ہمارے رب' ہمیں اپنی بیویوں سے اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔" ایک مومن کی آنکھوں کی ٹھنڈک اسی میں ہے کہ اُس کی اولاد بھی ایمان و اسلام اور تقویٰ و احسان کے راستہ پر گامزن ہو' اس کے گھر میں بِرّ و تقویٰ کا ماحول ہو۔ چنانچہ اس معاملے میں ہمارے قریب کے زمانہ میں شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی مثال بڑی عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں چار بیٹے عطا فرمائے' شاہ عبدالقادر' شاہ عبدالعزیز' شاہ عبدالغنی' اور شاہ رفیع الدین رحمہم اللہ۔ یہ چاروں نہایت نیک اور نہایت پارسا تھے۔ ان میں سے دو بیٹے تو وہ ہیں (یعنی شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین) جنہوں نے قرآن مجید کے اردو میں اولین ترجمے کیے اور آج تک مستند ترین ترجمے وہی ہیں۔ تیسرے بیٹے نے دہلی میں درس گاہ قائم کی جو مدرسہ شاہ عبدالعزیز کے نام سے مشہور ہے جس سے برِّعظیم پاک و ہند میں بہت علم پھیلا۔ جبکہ چوتھے بیٹے شاہ عبدالغنی کا نوجوانی ہی میں انتقال ہو گیا تھا' لہٰذا کسی علمی میدان میں ان کی صلاحیتیں زیادہ نمایاں نہیں ہو سکیں۔ تاہم اس کی تلافی اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرما دی

© rasailojaraid.com

کہ آگے ان کے بیٹے شاہ اسماعیل شہیدؒ تھے' اور ان کا نام اپنے اس نامور عالم و مجاہد اور شہید بیٹے کی وجہ سے روشن ہوا۔ تو آپ غور کیجئے کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی اولاد کو اِن کیفیات میں دیکھ کر کس قدر آنکھوں کی ٹھنڈک میسر آتی ہوگی!

اس کے بعد فرمایا : ﴿ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴾ اور وہ یہ دُعا بھی کرتے ہیں کہ "ہمیں متقیوں کا امام بنادے"۔ ان الفاظ سے یہ مضمون بھی متبادر ہو سکتا ہے کہ یہ دُعا کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نیک لوگوں کا امام اور پیشوا بنائے' نیک لوگوں کے آگے چلنے والا بنائے۔ اگرچہ اس کی خواہش رکھنا بھی کوئی بری بات نہیں ہے' لیکن جس سیاق و سباق میں یہ الفاظ آرہے ہیں' اس کے اعتبار سے ان کا مفہوم کچھ دوسرا ہے۔ درحقیقت ان الفاظ کے ذریعے پہلی بات ہی کی مزید تاکید ہو رہی ہے۔ اس لئے کہ ہر شخص فطری طور پر اپنی اولاد کا امام ہے۔ قیامت کے روز جب لوگ اُٹھیں گے تو ان کے پیچھے ان کی نسلیں چلی آرہی ہوں گی' ان کی اولاد و اَخلاف ان کے پیچھے چلے آرہے ہوں گے۔ تو گویا وہی بات ذرا اسلوب بدل کر کہی گئی ہے کہ اے رب ہم جن کے امام ہیں' ان کو متقی بنا دے۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارے پیچھے آنے والے' ہماری آئندہ نسلیں فُسّاق و فُجّار پر مشتمل ہوں۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے : ((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ)) یعنی "تم میں سے ہر ایک کی حیثیت ایک چرواہے کی ہے اور تم میں سے ہر ایک اپنے ریوڑ کے بارے میں جواب دہ ہے"۔ جیسے بھیڑ بکریاں چرانے والا ایک چرواہا ہوتا ہے اور چند بھیڑ بکریاں اس کی ذمہ داری ہوتی ہیں' شام کو اگر کوئی بھیڑ یا بکری لوٹ کر نہ آئی تو اُس سے پوچھا جائے گا' وہ ان کے بارے میں مسئول ہے۔ اسی طرح تم میں سے ہر شخص کی حیثیت ایک چرواہے کی ہے' اللہ نے اپنی مخلوق میں سے کچھ افراد تمہارے حوالے کر دیئے ہیں' وہ تمہاری بیویاں ہیں' تمہاری اولاد ہیں' وہ تمہارے زیر کفالت ہیں' وہ تمہارے زیر تربیت ہیں' یہ تمہارا وہ گلہ ہے جس کے بارے میں اللہ تم سے پوچھے گا کہ تم نے ان کی صحیح رخ پر تعلیم و تربیت کا کتنا اہتمام کیا؟ انہیں اللہ کے نیک اور متقی بندے بنانے کے لئے کتنی محنت کی؟ یہ ہے مفہوم اس ارشاد نبویؐ کا ((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ

© rasailojaraid.com

رَعِیَّتِہٖ)) چنانچہ ہر بندۂ مومن کی یہ دُعا ہونی چاہئے کہ اے اللہ ' جو گلّہ تو نے مجھے عطا فرمایا ہے ' جس کی ذمہ داری تو نے مجھے سونپی ہے ' اس کو توفیق دے کہ وہ نیکی اور تقویٰ کی روش اختیار کرے ' اور ہم کو ایسے متقیوں کا امام بنا: ﴿وَاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا﴾

آگے فرمایا: ﴿اُولٰٓئِکَ یُجۡزَوۡنَ الۡغُرۡفَۃَ بِمَا صَبَرُوۡا﴾ "یہ وہ لوگ ہیں جنہیں جزا کے طور پر جنت میں بالاخانے ملیں گے بسبب ان کے صبر کے"۔ اس آیت میں گویا عباد الرحمٰن کا چھٹا اور نہایت اہم وصف آگیا۔ بِمَا صَبَرُوۡا ' یعنی یہ درحقیقت بدلہ ہے اُس صبر کا جو انہوں نے اللہ کی راہ میں کیا۔ یہ وہ بات ہے جو ہم سورۃ العصر کے ذیل میں بھی پڑھ چکے ہیں اور سورۃ لقمان کے دوسرے رکوع میں بھی کہ ﴿وَاصۡبِرۡ عَلٰی مَاۤ اَصَابَکَ﴾ ظاہر بات ہے کہ یہ تمام اوصاف انہی لوگوں میں پیدا ہو سکتے ہیں جن میں صبر کا مادہ ہو ' تبھی وہ دنیوی لذات و ترغیبات سے کنارہ کشی کر سکیں گے ' ہوائے نفس سے اجتناب کر سکیں گے ' اور شیطان کے اغوا سے بچ سکیں گے۔ یہ سب کام اُسی وقت ممکن ہوں گے جب ان میں صبر کا مادہ ہو گا۔ پھر دنیا میں نیکی ' راست بازی اور صداقت شعاری کا راستہ اختیار کرنے والوں کو آزمائشوں سے سابقہ پیش آکر رہے گا۔ ان آزمائشوں پر صبر کر کے ہی وہ برو تقویٰ کی راہ پر مستقیم رہ سکیں گے۔ جیسے سورۃ حم السجدہ کی آیات میں ہم نے پڑھا تھا: ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا﴾ تو یہ استقامت اور یہ صبر ہی درحقیقت وہ جوہر ہے کہ جس کی بنیاد پر انسان دنیا میں وہ روش اختیار کر سکتا ہے جس کے نتیجے میں اس میں وہ اوصاف پیدا ہو سکتے ہیں جن کا یہاں ذکر ہوا ـــــ اس آیت کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے کہ : ﴿وَیُلَقَّوۡنَ فِیۡہَا تَحِیَّۃً وَّسَلٰمًا﴾ "ان لوگوں کا جنت میں استقبال ہو گا دُعاؤں کے ساتھ اور سلام کے ساتھ"۔ ظاہر بات ہے کہ یہ استقبال کرنے والے جنت کے فرشتے ہوں گے۔

آگے فرمایا: ﴿خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا﴾ "اس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے"۔ جنت وہ جگہ ہے کہ ایک بار داخلے کے بعد وہاں سے نکلنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ ﴿حَسُنَتۡ مُسۡتَقَرًّا وَّمُقَامًا﴾ "وہ جنت بہت ہی عمدہ جگہ ہے مستقل رہنے کے لئے بھی اور تھوڑی سی دیر کے قیام کے لئے بھی"۔ اس رکوع میں پہلے جہنم کا ذکر آیا تھا ' اب یہاں جنت کا ذکر تقابل

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

(contrast) کے طور پر آیا ہے۔ کیونکہ دنیا میں ہمارا تصور یہ ہے کہ کتنی ہی عمدہ جگہ پر بھی اگر مستقل رہنا پڑے تو اُس میں انسان کے لئے کوئی دلچسپی اور رعنائی نہیں رہتی اور اگر بُری سے بُری جگہ پر بھی تھوڑی سی مدت کے لئے جانا ہو' جیسے صحرائے اعظم میں انسان تھوڑے عرصہ کے لئے چلا جائے تو تبدیلی (change) کی وجہ سے ایک تفریح ہو جاتی ہے' ایک مہم جوئی کا احساس ہوتا ہے۔ تو جہنم کے بارے میں فرمایا کہ وہ ایسی بُری جگہ ہے کہ مستقل جائے قرار کی حیثیت سے تو انتہائی خوفناک ہے ہی' اگر کوئی ایک لمحہ کے لئے بھی اس میں داخل کر دیا جائے تو اس دوزخ کی تمام شِدّتیں' غِلظتیں اور ساری کُلفتیں آنِ واحد میں عیاں ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس جنت وہ جگہ ہے کہ وہاں تھوڑی دیر ہی نہیں بلکہ مستقل قیام ہو گا' لیکن اس کے حسن میں' اس کی رعنائیوں میں' اس کی دلچسپیوں میں کبھی کوئی کمی نہیں آئے گی اور انسان اس سے کبھی بھی نہیں اُکتائے گا۔

© rasailojaraid.c

آخر میں ارشاد فرمایا :

﴿ قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّیْ لَوْ لَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ یَكُوْنُ لِزَامًا ۝ ﴾ (الفرقان : ۷۷)

"(اے نبی ﷺ)! فرما دیجئے : میرے رب کو تمہاری کوئی پروا نہیں ہے اگر نہ ہوتا تمہارا پکارنا' سو تم جھٹلا چکے ہو' اب اس کی سزا جلد ہی تمہیں چمٹ کر رہے گی۔"

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ سورۃ الفرقان کی اس آخری آیت میں اور اس سورۂ مبارکہ کی پہلی آیت میں بڑا گہرا ربط و تعلق ہے۔ پہلی آیت مبارکہ ہے :

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝ ﴾

"بڑی بابرکت ہے وہ ہستی جس نے نازل فرمایا الفرقان اپنے بندے پر تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لئے خبردار کرنے والے بن جائیں۔"

ایمانیات کے ذیل میں یہ بات ہمارے سامنے آچکی ہے کہ ایمان کے تین بڑے بڑے اجزاء ہیں : (۱) ایمان باللہ یا توحید' (۲) ایمان بالآخرۃ یا معاد' اور (۳) ایمان

© rasailojaraid.c

بِالرّسالت۔ سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کی پہلی دو آیات ایمان باللہ سے بحث کرتی ہیں۔ فرمایا گیا : ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا ○ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ○ ﴾ میں نے عرض کیا تھا کہ ان سب کا نتیجہ ایمان باللہ ہے۔ سورۃ الفرقان کی پہلی اور آخری آیت کا تعلق ایمان بالرسالت سے ہے۔ اللہ تعالیٰ رسولوں کو کیوں بھیجتا رہا! نبوت و رسالت کی غرض و غایت کیا ہے! سورۃ النساء کی آیت ۱۶۵ میں یہ مضمون بڑی وضاحت سے اور بڑے واضح الفاظ میں آیا ہے۔ فرمایا :

﴿ رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ○ ﴾

"ہم اپنے رسولوں کو بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجتے رہے ہیں تاکہ رسولوں کی آمد کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے یہاں کوئی عذر باقی نہ رہ جائے۔ اور اللہ تو ہے ہی غالب' حکمت والا۔"

معلوم ہوا کہ رسولوں کو بھیجنے کا ایک اہم مقصد "اتمامِ حجت" اور "قطعِ عذر" تھا تاکہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ اے اللہ! ہمیں پتہ نہیں تھا کہ تو کیا چاہتا ہے! ہمیں معلوم نہیں تھا کہ تجھے کون کون سے اوصاف پسند ہیں! ہم جانتے نہیں تھے کہ تو کن چیزوں سے ناراض ہوتا ہے! اگرچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں سماعت و بصارت' عقل و شعور اور نیکی و بدی کی تمیز جیسی بہت سی چیزوں سے مسلح کر کے بھیجا ہے اور یہ بنیادی اور ابتدائی حجت ہے جو ہر انسان پر قائم ہے' لیکن اتمامِ حجت تب ہوتا ہے جب رسول تشریف لاتے ہیں۔ چنانچہ رسولوں نے حق کو قولاً اور عملاً پیش کر دیا۔ سچ بولنے کی ترغیب دی تو ساری عمر سچ بول کر دکھایا۔ دیانت اور امانت کی تلقین کی تو اپنی زندگیوں میں دیانت و امانت کا نمونہ پیش فرما دیا۔ عدل و قسط کی تاکید کی تو دوست و دشمن کی تمیز و امتیاز کے بغیر عدل و انصاف کر کے دکھایا۔ عفو و صفح کی نصیحت کی تو اپنے جان کے دشمنوں' اور خود اپنے اوپر اور اپنے ساتھیوں پر بے پناہ مظالم ڈھانے والوں کو معاف کر کے دکھایا۔ جو دعوت دی اس کا عملی نمونہ بھی لوگوں کے سامنے رکھ دیا۔ تو گویا لوگوں پر قولاً اور عملاً آخری درجہ میں حجت

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

قائم ہو گئی۔ یہی وہ حقیقت ہے جو سورۃ النساء کی مذکورہ بالا آیت میں بیان فرمائی گئی ہے۔

یہی مضمون سورۃ الفرقان کی پہلی آیت میں آیا ہے کہ انبیاء و رُسل کی اس مقدس جماعت میں حضور ﷺ کی ایک امتیازی شان ہے۔ پہلے بھی رسول بشیر و نذیر بن کر آتے تے لیکن وہ اپنی اپنی قوموں کی طرف آتے تھے۔ قرآن مجید میں یہ مضمون تکرار کے ساتھ آیا ہے : وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا.... وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا.... اور وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا○ "قومِ عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا.... قومِ ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا.... اور ہم نے مدین (میں رہنے والی قوم) کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا....." چنانچہ مطالعہ قرآن حکیم کی روشنی میں یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل نبوت اور رسالت کا معاملہ علاقائی یا قومی ہوتا تھا' لیکن جناب محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ پر جو نبوت کا اختتام و اتمام ہوا اور رسالت کی تکمیل ہوئی' اس کا ایک مظہر یہ ہے کہ حضور ﷺ سارے جہان والوں کے لئے خبردار کرنے والے بن کر تشریف لائے اور قرآن مجید' فرقان حمید اسی مقصد کے لئے نازل فرمایا گیا :

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا○ ﴾

یہی بات سورۃ الانبیاء میں بایں الفاظِ مبارکہ فرمائی گئی : ﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ○ ﴾ اور سورۂ سبا میں حضور ﷺ کی آفاقی و عالمی شان کو اور بھی واضح الفاظ میں بیان فرمایا گیا :

﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ﴾

"اور (اے نبیؐ) ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام لوگوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر!"

لیکن یہ بات جان لیجئے کہ رسول ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برہان' دلیل اور بیّنہ بن کر تشریف لاتے ہیں' لہٰذا جہاں رسولوں کی بعثت رحمت ہے وہاں جو انکار کرنے والے ہیں ان کے لئے دنیا اور آخرت میں یہی چیز موجب عذاب اور موجب سزا بھی ہے۔ رسولوں کی آمد سے پہلے ان کے پاس کوئی عذر تو تھا کہ اے اللہ' ہمیں معلوم نہیں تھا' ہم جانتے نہیں تھے کہ تیری رضا کیا ہے۔ لیکن رسولوں کے آنے کے بعد یہ عذر ختم ہو گیا۔ اب

© rasailojaraid.com

محاسبہ شدید ہوگا اور پکڑ سخت ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں بار بار اُن قوموں کا ذکر ہوا ہے جن کی طرف رسولوں کو مبعوث فرمایا گیا' اور جب انہوں نے ان رسولوں کا انکار کیا' ان کی تکذیب کی' ان کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو اور اُن چند لوگوں کو جو ان رسولوں پر ایمان لائے تھے بچالیا' اور اُن قوموں کو ہلاک کر دیا۔ سورۃ الفرقان کی اس آخری آیت میں اہل عرب کو یہی تنبیہہ فرمائی جارہی ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ ہمارے رسول اگر تمہیں دعوت دے رہے ہیں' تبلیغ کر رہے ہیں' تمہارے پیچھے پیچھے پھر رہے ہیں' ایک ایک گھر پر جا کر پیغام ربانی پہنچا رہے ہیں' ایک ایک انسان کے دل پر دستک دے رہے ہیں تو میرے رب کو تمہاری کوئی پروا ہے۔ اللہ کو ہرگز تمہاری کوئی پروا نہیں ہے۔ اگر تمہیں پکارنا اور خبردار کرنا مقصود نہ ہوتا تو ہمارے رسول یہ مشقتیں نہ جھیلتے۔ اس لئے کہ سنّت اللہ یہی ہے کہ کسی قوم پر عذاب بھیجنے سے پہلے اُسے متنبّہ اور خبردار کر دیا جائے' جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:

﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ ﴾

"ہم عذاب نہیں بھیجتے رہے ہیں جب تک رسولوں کو مبعوث نہ فرمادیں۔"

یعنی رسولوں کی آمد کے ذریعے جب تک اتمامِ حجت نہ ہو جائے' اس سے پہلے قومیں ہلاک نہیں کی جاتیں۔ لہٰذا یہاں نبی اکرم ﷺ سے کہلوایا جا رہا ہے کہ میں نے تم تک تمہارے رب کا پیغام پہنچا دیا' تمہارے سامنے تمہارے رب کی دعوت پیش کر دی۔ مجھ تک جو ہدایت ربانی آئی تھی' اسے قولاً اور عملاً تمہارے سامنے پیش کر دیا۔ یہ تمہارے ہی نفع کے لئے کیا گیا ہے' ورنہ میرے رب کو تمہاری کوئی پروا نہیں ہے ﴿مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ﴾ یہ تبلیغ و دعوت اس لئے ہے کہ تم کو خبردار کر دیا جائے۔ اگر تمہیں پکارنا نہ ہوتا ﴿لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ﴾ تو رشد و ہدایت اور دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری بھی مجھ پر نہ ہوتی ——— لیکن ﴿فَقَدْ كَذَّبْتُمْ﴾ "پس تم جھٹلا چکے' تم تکذیب کر چکے"۔ عربی زبان میں فعل ماضی پر جب "قَدْ" کا اضافہ ہو جاتا ہے تو اس میں کسی کام کے ہو جانے میں قطعیت و حتمیت کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ انگریزی میں Present Perfect Tense کا جو مفہوم ہوتا ہے' یعنی کام ہو چکا ہے' بات ہو چکی ہے' یہی مفہوم عربی میں فعل ماضی پر "قَدْ" کا اضافہ

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا : ﴿فَقَدْ كَذَّبْتُمْ﴾ سو لوگو، تم جھٹلا چکے ہو۔ اب عنقریب اس کی پکڑ آ کے رہے گی ﴿فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا﴾ لازم و ملزوم کے الفاظ ہم عام بول چال میں استعمال کرتے ہیں۔ لِزَامًا کے معنی ہوں گے جسے کوئی چیز چمٹ کر رہ جائے، چپک کر رہ جائے۔ تو فرمایا : ﴿فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا﴾ "سو تم نے (دعوتِ ربانی کو) جھٹلا دیا، پس عنقریب اس کا وبال تم پر لاگو ہو کر رہے گا۔" تمہیں اس تکذیب کی سزا مل کر رہے گی۔

یہ آیتِ مبارکہ نہ صرف اُن لوگوں کے لئے بہت اہم ہے جو قرآن مجید کے اولین مخاطب تھے اور جن کے سامنے جناب محمدٌ رسول اللہ ﷺ بنفسِ نفیس خلقِ خدا کو دعوت پہنچا رہے تھے بلکہ ہمارے لئے بھی بہت اہم ہے۔ اس لئے کہ جناب محمدٌ رسول اللہ ﷺ پر نبوت کا جو اختتام و اتمام ہوا ہے، رسالت کی جو تکمیل ہوئی ہے، اس کا ایک مظہر وہ ہے جو میں پیش کر چکا ہوں کہ حضور ﷺ کی بعثت پوری نوعِ انسانی کے لئے ہے۔ اور اسی کا دوسرا مظہر یہ ہے کہ آپ ﷺ ہی کا دورِ رسالت تا قیامِ قیامت جاری ہے۔ یہ دَور جس میں ہم سانس لے رہے ہیں، یہ بھی دورِ رسالتِ محمدّی ہے (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام)۔ ہر انسان جو آج دنیا میں پیدا ہو رہا ہے اور قیامت تک پیدا ہوگا وہ نبی آخرالزماں ﷺ کی اُمّتِ دعوت میں شامل ہے۔ ہاں اُمّتِ اجابت میں وہی شامل ہوگا جو نبی اکرم ﷺ کی دعوت پر لبیک کہے، حضورؐ کی تصدیق کرے، حضورؐ پر ایمان لائے۔ لیکن امتِ دعوت سے مُراد وہ تمام لوگ ہیں جن کی طرف کسی رسول کو بھیجا گیا ہو۔ جیسے حضرت ہود علیہ السلام کی امتِ دعوت قوم عاد تھی، حضرت صالح علیہ السلام کی اُمتِ دعوت قوم ثمود تھی، اسی طرح جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی امتِ دعوت پوری نوعِ انسانی ہے۔ اور پیغامِ ربانی کو جس طرح نبی اکرم ﷺ نے بنفسِ نفیس اُن لوگوں کو پہنچایا جو آپؐ کے مخاطبینِ اولین تھے، اسی طرح یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم روئے ارضی پر بسنے والے ہر شخص تک اسے پہنچائیں۔ حضورؐ نے تکلیفیں جھیل کر اور مصیبتیں اٹھا کر یہ فریضۂ دعوت انجام دیا۔ آپؐ کا تمسخر و استہزاء بھی ہوا، آپؐ پر پتھراؤ بھی ہوا، آپؐ کے راستہ میں کانٹے بھی بچھائے گئے، آپؐ کی گردن مبارک میں چادر ڈال کر اس طرح بل دیا گیا کہ چشم ہائے

© rasailojaraid.com

مبارک اُبل پڑنے کو ہوئیں۔ آپؐ پر کوڑا کرکٹ ڈالا گیا۔ آپؐ کے شانۂ مبارک پر' جبکہ آپؐ سر بسجود تھے' اونٹ کی نجاست بھری اوجھڑی رکھی گئی۔ طائف کی گلیوں میں آپؐ پر پتھروں کی اس طور پر بارش ہوئی کہ جسدِ اطہر لہولہان ہو گیا اور جسم سے خونِ اقدس بہہ بہہ کر نعلین شریف میں جم گیا۔ یہ ساری تکلیفیں آپ ﷺ نے جھیلیں' لیکن دین کا پیغام پہنچا کر حجت قائم کر دی۔

اب یہ کام اُمتِ مسلمہ کے ذمہ ہے' میرے اور آپ کے ذمہ ہے' حضور ﷺ کے ہر اُمتی کے ذمہ ہے کہ اللہ کا پیغام ایک ایک فردِ نوعِ بشر تک پہنچائیں۔ یہ ہر مسلمان کی دینی ذمہ داری ہے۔ اگر پہنچا دیں تو ہم بریٔ الذمہ ہو جائیں گے۔ جن تک بات پہنچا دی جائے اگر وہ دعوت کو رد کریں اور اُس کو قبول کرنے سے انکار کریں تو پھر وہ ذمہ دار ہوں گے' سارا بوجھ اُن پر آئے گا۔ لیکن اگر معاملہ وہ ہو جو فی الواقع ہمارا ہے کہ ہم دوسروں تک کیا پہنچائیں آج خود ہم اس بات کے محتاج ہو گئے ہیں کہ قرآن ہمیں پہنچایا جائے تو مجرم ہم ٹھہریں گے۔ سو معلوم ہوا کہ ہمارے شانوں پر دوہری ذمہ داری آ گئی۔ جن تک پیغام پہنچانا تھا اگر ان تک پیغام نہیں پہنچ رہا' انذار نہیں ہو رہا' دعوتِ ربانی کا حق ادا نہیں ہو رہا' تو ان لوگوں کی غلط روی اور گمراہی کا وبال بھی ہم پر آئے گا۔ اور خود ہمارا اپنا حال یہ ہے کہ اگرچہ ہم قرآن کے ماننے والے ہیں اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے نام لیوا ہیں' لیکن اِلّا ماشاء اللہ' ہم عملاً تو تکذیب کر رہے ہیں۔ ایک تکذیب قولی ہوتی ہے کہ کسی نبی کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ نبوت کا غلط دعویٰ کر رہا ہے' جھوٹ گھڑ رہا ہے۔ جیسے ابوجہل اور ابولہب نے حضور ﷺ کی تکذیب کی —— جبکہ ایک تکذیب عملی ہوتی ہے کہ بظاہر زبان سے حضورؐ کو نبی اور رسول مان لیا جائے' لیکن آپؐ کے احکام کو تسلیم نہ کیا جائے۔ تکذیبِ عملی کی ایک مثال قرآن مجید میں سورۃ الجمعہ میں آئی ہے :

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾

"مثال ان کی جو حامل تورات بنائے گئے تھے' پھر انہوں نے اس کی ذمہ داری کو

© rasailojaraid.com

ادا نہ کیا' اُس گدھے کے مانند ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہو' اور بہت بری ہے مثال اُس قوم کی جس نے آیاتِ الٰہیہ کی تکذیب کی۔ اور اللہ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

اب آپ اِس آیت مبارکہ کے ان الفاظ پر غور فرمایئے : ﴿ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ﴾ ہم سب جانتے ہیں کہ یہود نے زبان سے کبھی تورات کی تکذیب نہیں کی۔ تو غور طلب بات یہ ہے کہ یہ تکذیب کون سی ہے! —— یہ تکذیب درحقیقت تکذیبِ عملی ہے کہ تورات کے کتاب اللہ ہونے کا زبانی اقرار تو موجود ہے لیکن اُس پر عمل نہیں ہو رہا۔ اور ظاہر بات ہے کہ تورات پر ایمان کا دعویٰ کرنے والے اگر اُس کے اَحکام پر کاربند نہیں ہیں' اگر تورات کے نواہی سے اجتناب نہیں کیا جا رہا' جو ذمہ داریاں تورات نے عائد کی ہیں اگر انہیں ادا کرنے سے پہلو تہی کی جا رہی ہے' اُن سے اغماض برتا جا رہا ہے تو چاہے زبان سے یہود اقرار کرتے ہوں کہ وہ تورات کو اللہ کی کتاب مانتے ہیں لیکن حقیقتاً اور عملاً یہ رویہ تورات کی تکذیب کے مترادف ہے۔ آج اگر ہم اپنے گریبانوں میں جھانکیں تو نظر آئے گا کہ بعینہٖ یہی معاملہ ہمارا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں پہلے ہی سے متنبہ فرما دیا تھا۔ بڑی پیاری حدیث ہے جس کا آغاز "یَا اَھْلَ الْقُرْآنِ" کے الفاظ سے ہو رہا ہے۔ یعنی "اے قرآن والو!" جیسے قرآن مجید میں یہود و نصاریٰ سے "یَا اَھْلَ الْکِتٰبِ" کے الفاظ سے خطاب ہوتا ہے' محبوبِ ربّ العالمین ﷺ ہم مسلمانوں سے خطاب فرما رہے ہیں "یَا اَھْلَ الْقُرْآنِ" کے الفاظ سے —— ارشاد ہوتا ہے : ((یَا اَھْلَ الْقُرْآنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْآنَ)) "اے قرآن والو! قرآن حکیم کو اپنا تکیہ نہ بنا لینا" اُسے ایک ذہنی سہارا نہ بنا لینا۔ قرآن کو پس پشت نہ ڈال دینا - تکیہ پیٹھ کے پیچھے ہوتا ہے' ایسا نہ ہو کہ تم قرآن کو پیٹھ کے پیچھے پھینک دو۔ بلکہ تمہارا طرزِ عمل کیا ہونا چاہئے : ((وَاتْلُوْهُ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ مِنْ آنَاءِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ)) "اُسے پڑھو جیسا کہ اُس کے پڑھنے کا حق ہے' رات کے اوقات میں بھی اور دن کے اوقات میں بھی"۔ ((وَافْشُوْهُ)) "اسے پھیلاؤ" اُسے عام کرو' اس کی تبلیغ کرو' اس کے نور سے چہار دانگِ عالم کو منور کرو۔ ((وَتَغَنَّوْهُ)) "اور اُسے خوش الحانی سے پڑھو" کہ اس سے تمہاری روح کو غذا میسر

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

آئے۔ ((وَتَدَبَّرُوا فِيۡهِ)) "اور اس میں تدبّر کرو' غور و فکر کرو"۔ وہی بات جو ہم نے اس رکوع میں پڑھی کہ ﴿وَالَّذِيۡنَ اِذَا ذُكِّرُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ لَمۡ يَخِرُّوۡا عَلَيۡهَا صُمًّا وَّعُمۡيَانًا۞﴾ چنانچہ قرآن پر تدبر ہو' غور و فکر ہو۔ آخر میں ارشاد فرمایا: ((لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ)) "تاکہ تم فلاح پاؤ"۔

پس اگر ہم قرآن مجید کے ساتھ یہ طرزِ عمل اختیار نہیں کرتے جس کا حکم نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث میں آیا ہے تو چاہے زبان سے ہم مانتے ہوں کہ یہ اللہ کا کلام ہے' لیکن حقیقتاً ہم تکذیب کا ارتکاب کر رہے ہوتے ہیں۔ اور یہی عملی تکذیب ہے۔ اس معنی میں اس آیت مبارکہ کے مخاطبین میں ہم بھی شامل ہیں: ﴿قُلۡ مَا يَعۡبَؤُا بِكُمۡ رَبِّيۡ لَوۡلَا دُعَآؤُكُمۡ﴾ اے نبیؐ! ان لوگوں کے کان کھول دیجئے' انہیں یہ بات سنا دیجئے کہ میرے رب کو تمہاری کوئی پروا نہیں ہے' بلکہ اُس نے اگر مجھے مبعوث فرمایا ہے' مجھ پر یہ قرآن نازل فرمایا ہے تو صرف اس لئے کہ تم پر اتمامِ حجت کرنا مقصود ہے۔ لہٰذا میں نے تو تبلیغ کا حق ادا کر کے تم پر حجت قائم کر دی ہے۔ لیکن ﴿فَقَدۡ كَذَّبۡتُمۡ﴾ تم جھٹلا چکے ہو' تم نے کفر کی روش اختیار کی ہے ــــــ خواہ یہ جھٹلانا قولاً ہو یا عملاً ہو ــــــ ﴿فَسَوۡفَ يَكُوۡنُ لِزَامًا﴾ پس جان رکھو کہ جلد ہی اس کی سزا تم سے چمٹ کر رہے گی۔ اس کی پاداش تم کو بھگتنی پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ اس انجامِ بد سے ہمیں بچائے۔

بَارَكَ اللّٰهُ لِيۡ وَلَكُمۡ فِي الۡقُرۡاٰنِ الۡعَظِيۡمِ'
وَنَفَعَنِيۡ وَاِيَّاكُمۡ بِالۡاٰيَاتِ وَالذِّكۡرِ الۡحَكِيۡمِ ۞۞

اہم اعلان

قرآن حکیم کے منتخب نصاب (مشتمل بر ۴۲ کیسٹ) کی دوبارہ مکمل' واضح اور ہائی فائی اسٹیریو ریکارڈنگ تیار کر لی گئی۔ یہ edited سیٹ مکتبہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جو حضرات دوبارہ ریکارڈنگ کرانا چاہتے ہیں وہ بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 3-5869501

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com